© rasailojaraid.com

صوبہ سرحد میں نفاذ شریعت کی عملی تدابیر

تلخیص وتبصرہ: ثاقب اکبر

''صوبہ سرحد میں نفاذ شریعت کی عملی تدابیر'' سید معروف شاہ شیرازی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب انھوں نے 2003 کے آغاز میں لکھی جب صوبہ سرحد میں ایم ایم اے (متحدہ مجلس عمل) کی حکومت ابھی نئی نئی تشکیل پائی تھی۔ مصنف اس کتاب کا مقصدِ تصنیف یوں بیان کرتے ہیں:

''مجلس عمل کے سرحدی ممبران اسمبلی اور وزراء نئے لوگ ہیں، ان کا حکومتی تجربہ زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے ظلال القرآن فاؤنڈیشن نے یہ مناسب سمجھا کہ اس حکومت کے ذمہ داران کی خدمت میں کچھ تجاویز پیش کردی جائیں۔''

''ظلال القرآن فاؤنڈیشن، راولپنڈی'' مصنف محترم کا اشاعتی وتبلیغی ادارہ ہے، جس کے تحت انھوں نے زیرنظر کتاب شائع کی ہے۔ بظاہر مصنف کا بھی کوئی حکومتی تجربہ نہیں ہے تاہم اپنی فکر اور مطالعے کی روشنی میں انھوں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ انھیں ایک قانون دان کی حیثیت سے مجلس عمل کی حکومت نے اوائل ہی میں اپنے تشکیل دیے گئے ایک قانونی کمیشن کا رکن بھی مقرر کیا تھا۔

کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے کا عنوان ''اصولی مباحث'' ہے، جس میں مصنف نے اسلامی ریاست کے ماڈل، اس کے اختیارات وحدود، اداروں اور شورائی نظام وغیرہ جیسے موضوعات پر بات کی ہے۔ دوسرا حصہ نظام تعلیم کے بارے میں مصنف کے تصورات پر مشتمل ہے۔ اس میں نرسری سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک کے لئے ایک نیا نظام تعلیم تجویز کیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں حکومت صوبہ سرحد کے لئے تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ اس میں مختلف وزارتوں اور مختلف حکومتی شعبوں کے لئے تجاویز موجود ہیں۔ چوتھا اور آخری حصہ نفاذ شریعت کے زیرعنوان ہے۔ اس میں نفاذ شریعت کے لئے مسوّدہ قانون کا مجوزہ ڈرافٹ شامل ہے، علاوہ ازیں اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے کچھ تدابیر کا ذکر ہے۔

دوسو سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا اس کتاب کا مواد جلدی میں تیار کیا گیا معلوم ہوتا ہے اور ایک ہی شخص نے تصور ریاست کی نظریاتی بحث سے لے کر حکومت کے تمام شعبوں کے بارے میں خامہ فرسائی کی ہے۔ سطور ذیل میں ہم مذکورہ بالا موضوعات پر کتاب کے مواد کا اجمالی تعارف پیش کرتے ہیں:

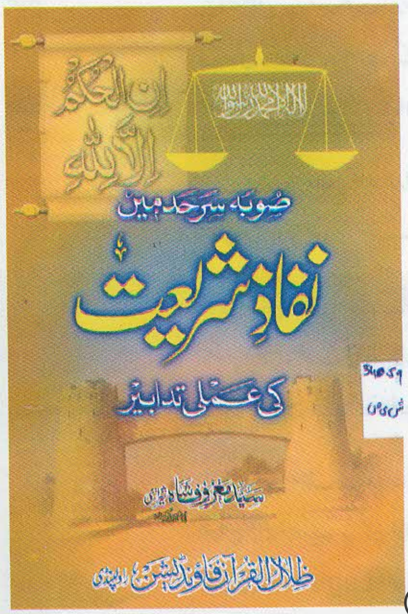

حصہ اول: اصولی مباحث

یہ حصہ جدید دور میں اسلامی ریاست کے ماڈل کے موضوع سے شروع ہوتا ہے جس میں مصنف نے چند سوالات کی مدد سے اپنی فکر کو پیش کیا ہے مثلاً ریاست کس طرح وجود میں آتی ہے یعنی قوت کے بل بوتے پر، عوام کی مرضی سے یا خدا کی طرف سے حکمران بھیجنے کے طریقے سے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ کسی ریاستی نظام میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ ریاست کے قوانین کا اطلاق کیسے ہوگا؟ معاشی نظام کیا ہوگا؟ حکمران کس طرح وجود میں آئیں گے؟ قانون سازی کا ذریعہ کیا ہوگا؟ حکمران کی اطاعت کے حدود وقیود کیا ہیں؟ مصنف نے ان تمام اہم سوالوں پر سرسری گفتگو کی ہے اور ہر جگہ قرآن وسنت کی اہمیت اور پیروی پر زور دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''درحقیقت اسلامی ریاست کا بنیادی دستور ہی قرآن وسنت ہوتے ہیں۔'' اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں:

''ہر ریاست کے بعض مخصوص انفرادی مسائل بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق علاقائی جغرافیہ، مذہبی ادارات یا علاقائی رسم ورواج سے ہوتا ہے اور جن کو اسلام قبول کرتا ہے لہٰذا ایسے مسائل کو دستور کے ذریعے طے کیا جاتا ہے۔۔۔ پاکستان کے تمام دستوروں میں ایسے ہی نکات طے کیے گئے ہیں، ۳۱ علماء کے ۲۲ نکات، قرارداد مقاصد اور سپریم کورٹ کے دستوری فیصلے دستوری حیثیت رکھتے ہیں۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصنف کی ان عبارات میں الجھاؤ اور اضطرار محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اگلے مرحلے میں مصنف نے ''اسلامی نظام میں ریاست کے اختیارات وحدود'' پر گفتگو کی ہے۔ تمہیدی طور پر تاریخ کے حوالے سے گفتگو کے بعد مصنف نے مغربی دنیا سے گلہ کیا ہے کہ وہ اسلامی نقطہ نظر اور تاریخ کو اپنی تصنیفات میں گول کر جاتے ہیں۔ اس کے بعد بلنچی کی شہرہ آفاق کتاب ''تھیوری آف اسٹیٹ'' میں دیے

جمہوریت اور اسلام میں کوئی تضاد ہے بھی تو وہ صرف قانون سازی کے ایک محدود دائرے میں ہے۔ اسلام میں قرآن وسنت، جمہوریت کے دستوری قانون سے بھی بالا اور برتر قانون ہے۔ دستوری قانون میں ترمیم ہوسکتی ہے اور قرآن وسنت میں نہیں ہوسکتی۔

گئے قدیم وجدید تصور ریاست کے ساتھ اپنے فہم کے مطابق اسلامی تصور کا بھی اضافہ کردیا ہے۔ زیر نظر موضوع پر وہ صرف اتنا کہتے ہیں:

''حضورؐ کے بعد چونکہ نبوت ختم ہوگئی اور حکومت کا تقرر بذریعہ شوریٰ قرار پایا اور حاکم بھی قرآن وسنت کا متبع قرار پایا اور قرآنی تعلیمات کے بارے میں قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور اسلام کا سیاسی نظام اگر سربراہ مملکت قانون الٰہی کی اطاعت نہیں کرتا تو اس کی اطاعت کرنا واجب نہیں کیا گیا اور قانون سازی کے اختیارات حکمرانوں سے لے کر شوریٰ اور مجتہدین کو دیے گئے۔ بادشاہ یا شہنشاہ کا لقب (Title) ختم کردیا گیا اور حکمرانوں کا ٹائٹل خلیفۃ المسلمین یا امیر المومنین قرار دیا گیا اور اس درجے کے استحقاق سے موروثیت اور تغلب کو ختم کردیا گیا، اس نظریہ کے مطابق خدا اور رسول کے احکام ریاست کے دستور کا مقام رکھتے ہیں جس کی اطاعت حاکم ومحکوم دونوں کے لئے لازم ہے اور ریاست کا مقصد انسانوں کی خدمت ہے۔''

مغربی تصور ریاست پر تنقید اور اس کے مقابلے میں اسلامی تصور کی جامعیت وتفوق پر گفتگو کا اختتام مصنف نے اس جملے پر کیا ہے:

''اگر مسلمان دانشور اسلام کے نظریۂ ریاست کا گہرائی سے مطالعہ کریں تو انھیں معلوم ہوگا کہ مغرب کی جدید ریاست کے تمام نظریات اور تمام شکلیات اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ خلافتِ راشدہ سے لی گئی ہیں۔''

اس کے بعد مصنف نے ''اسلامی ریاست کے بنیادی اداروں'' پر گفتگو کی ہے اور ان کے نزدیک یہ تین ادارے ہیں: انتظامی (Executive)، مقنّنہ (Legislature) اور عدلیہ (Judiciary) [illegible]

''امام ابوحنیفہؒ نے جس انداز سے اجتہاد کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ریاست کے بنیادی اداروں کے حدود وقیود کو مدنظر رکھا اور شریعت کے احکام کے تعین اور مسائل استنباط میں ان بنیادی اداروں کے اصولوں کا لحاظ رکھا، جب کہ دوسرے آئمہ امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے ذہنوں میں اسلامی ریاست کی یہ سہ ادارتی حیثیت واضح نہ تھی۔''

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف ریاست کے جدید تصور کے مطابق اسلامی ریاست کے لئے بھی انہی تین اداروں کو بنیادی ادارے قرار دیتے ہیں اور آنحضرتؐ کے تصرفات کو انہی تین شعبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

ازیں بعد مصنف نے ''اسلام اور جمہوریت'' کے حوالے سے گفتگو کی ہے اور بعض سوالوں کے جواب دیے ہیں۔ اسلام اور جمہوریت کے باہمی تعلق اور فرق کا خلاصہ انھوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''نہایت ہی گہرے مطالعے کے نتیجے میں اہل تحقیق اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جمہوریت اور اسلام میں کوئی تضاد ہے بھی تو وہ صرف قانون سازی کے ایک محدود دائرے میں ہے۔ اسلام میں قرآن وسنت، جمہوریت کے دستوری قانون سے بھی بالا اور برتر قانون ہے۔ دستوری قانون میں ترمیم ہوسکتی ہے اور قرآن وسنت میں نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ اسلام وجمہوریت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسلام میں بھی قیاس اور اجماع امت حجت ہے اور جمہوریت میں بھی۔''

جیسا کہ اس پیرا سے ظاہر ہے اسلام کے بارے میں مصنف یوں اظہار خیال فرماتے ہیں جیسے قرآن وسنت کا مسلمانوں میں ایک ہی فہم رائج ہے اور عام طور پر کسی بھی مسئلے میں ایک سے زیادہ تعبیریں نہیں ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ قیاس اور اجماع کے بارے میں بھی ایسا نہیں ہے۔

حصہ دوئم: نظام تعلیم

کتاب کا دوسرا حصہ ''نظام تعلیم'' کے بارے میں مصنف کے تصورات پر مبنی ہے۔ وہ ''پاکستان میں نظام تعلیم کی اصلاح'' کے عنوان سے اس سلسلے میں آغاز کلام کرتے ہیں اور موجودہ تعلیمی نظام کے حوالے سے اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک ہمہ گیر شکست وریخت کا شکار ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے نظریہ تعلیم پر کم اور نظام تعلیم کے بارے میں اپنی عملی تجاویز پر زیادہ بات کی ہے۔ ان کے خیال میں تیسری جماعت تک بچوں اور بچیوں کو اکٹھے مسجد میں تعلیم دینا چاہیے۔ وہ اس کے لئے مسجد کے اسٹاف یعنی امام مسجد، مؤذن اور خدام ہی کو تدریسی عملے کے طور پر استعمال کرنے پر زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ضروری ہو تو ''ایک آدھ استاد'' مزید بھرتی کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد تین سالہ مرحلے کو وہ ثانوی پرائمری کہتے ہیں اور اس کے لئے موجودہ پرائمری اسکولوں کی عمارتیں استعمال کرنا تجویز کرتے ہیں، البتہ لڑکوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اورلڑکیوں کے لئے الگ الگ۔ان کی رائے ہے کہ دینی اور جدید نصاب کو اکٹھا کرکے ایک نصاب تیار کرلیا جائے۔وہ میٹرک لیول پر درس نظامی گروپ کے اجرا کی بھی تجویز دیتے ہیں۔اُن کی رائے میں ''ایف اے،ایف ایس سی لیول پر بھی تمام بورڈوں میں درس نظامی گروپ جاری کیا جاسکتا ہے۔'' وہ کہتے ہیں:

ایف اے،ایف ایس سی کے لازمی مضامین کے ساتھ،درس نظامی کے سال سوئم اور چہارم کے مضامین کو ملا کر پڑھایا جائے اور جولڑکے درس نظامی کے مدارس میں جانا چاہیں وہ صرف چار سال کے بعد دورہ حدیث سے فارغ ہوں۔اس طرح جدید اور قدیم نظام میں باہم تداخل ممکن ہوگا اور بالآخران کا مکمل اتحاد بھی کسی وقت ممکن ہوگا۔

وہ نظام تعلیم میں بی اے، بی ایس سی کو وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں اور مدت کے اضافے کے ساتھ ماسٹرز ڈگری تجویز کرتے ہیں تا کہ انٹر کے بعد طلبہ تخصص (Specialization) کا راستہ اختیار کرسکیں۔

وہ نظام تعلیم کا ڈھانچہ،عمارتوں کا استعمال،نصاب تعلیم،دینی مدارس کے لئے نیا نظام تعلیم،نصابی کتابوں کے لئے مصنفین کا معیار اور مقاصد تعلیم وغیرہ یہاں تک کہ مسجد میں طلبہ کے لئے مسواک کا ضروری ہونا سے لے کر ایم بی بی ایس،فارمیسی اور انجینئرنگ تک کے تمام شعبوں پر بے تکان اظہار خیال کیے جاتے ہیں۔اس طرح وہ اپنے قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی وہ ''خواتین کی اسلامی یونیورسٹی'' اور محصنات کالجز کا نظام'' بھی مفصل طور پر تجویز کرتے ہیں۔ان کے لئے نئی نئی ''فیکلٹیاں'' تجویز کرتے ہیں،ملاحظہ ہوں:

۱۔ قرآن فیکلٹی　　۲۔ حدیث فیکلٹی
۳۔ امورخانہ داری فیکلٹی　　۴۔ ایجوکیشن فیکلٹی
۵۔ نرسنگ فیکلٹی　　۶۔ دعوہ فیکلٹی
۷۔ ریسرچ اکیڈمی

مصنف نے جو بہت سی فیکلٹیز کو نظرانداز کردیا ہے تو اس کی وجہ ان کی اس عبارت میں تلاش کی جاسکتی ہے:

''اسلام نے عورتوں کے لئے جو دائرہ عمل تجویز کیا ہے وہ گھر کے انتظامات ،بچوں کی تربیت، تعلیم،صحت اور گھریلو صنعت کے میدان میں محدود ہے اور اسلام نے مجموعی دائرہ عمل کے طے کرتے وقت یہ سعی کی ہے کہ ہر میدان میں حتی الامکان عورت اور مرد کا دائرہ عمل الگ ہو۔''

اس حصے کے آخر میں مصنف نے ''قرآن یونیورسٹی کی اسکیم'' بھی پیش کی ہے۔ اس میں اُن کی رائے میں قصص القرآن ،قرآن کا فلسفۂ تاریخ،قرآن کے معاشی تصورات، احکام القرآن اورقرآن کے سیاسی تصورات جیسے مضامین پڑھائے جانے چاہئیں۔اس کے لئے انھوں نے بی اے اور ایم اے کی سطح پر مضامین مختلف سالوں کے لئے تجویز کردیے ہیں۔

حصہ سوئم: صوبہ سرحد میں نفاذ شریعت کی عملی تدابیر

کتاب کا یہ حصہ ''صوبہ سرحد کیلئے کریش پروگرام'' کی تجاویز سے شروع ہوتا ہے۔اس حصے میں بالعموم ترقی اور فلاح و بہبود کی ایسی تجاویز شامل ہیں جو بالعموم سیاسی جماعتوں کے منشوروں میں ہوتی ہیں۔علاوہ ازیں بعض منافع بخش کاروبار بھی تجویز کیے گئے ہیں۔''اسلامی بینکاری'' کی کامیابی کے لئے بھی کاروبار تجویز کیے گئے ہیں۔پولیس اور بیوروکریسی کی دینی تربیت کا بھی ذکر ہے۔دو بڑے دینی مدارس کو یونیورسٹی کا درجہ دے کر انھیں میڈیکل کالج قائم کرنے کے لئے بھی کہا گیا ہے۔''صنعتی نشاۃ ثانیہ'' کے زیرعنوان بھی کچھ تجاویز پیش کی گئی ہیں۔علاوہ ازیں سوشلسٹ نظام کی خرابیوں اور سرمایہ داری

نظام کی قباحتوں کا بھی ذکر ہے۔تعزیروں اور سزاؤں کے لئے بھی مصنف نے اصلاحات تجویز کی ہیں اور عدالتی عمل کو تیز رفتار کرنے پر زور دیا ہے۔علاوہ ازیں کتاب میں محکمہ جنگلات ،محکمہ مال،محکمہ خزانہ،محکمہ عشروزکوٰۃ ،واپڈا اور محکمہ صحت کے لئے اصلاحات وتجاویز موجود ہیں۔مختلف وزارتوں کے لئے مصنف کی تجاویز کو فلاحی اور رفاہی عنوان سے دیکھا جاسکتا ہے تاہم ایسی تجاویز اسلامی وغیر اسلامی حکومتوں اور جماعتوں کے ہاں موجود ہوتی ہیں۔تاہم زکوٰۃ وعشر جیسی اصطلاحیں ضرور ہمارے دینی لٹریچر سے متعلق ہیں۔

حصہ چہارم: نفاذ شریعت

یہ حصہ ''مسودہ قانون نفاذ شریعت صوبہ سرحد'' سے شروع ہوتا ہے۔مصنف نے جو ایڈووکیٹ بھی ہیں حکومت صوبہ سرحد کے ایک قانونی کمیشن کے رکن کی حیثیت سے یہ مسودہ قانون تجویز کیا ہے۔اس کی دفعہ۔۲ میں کہا گیا ہے:

''(۱) شریعت صوبہ سرحد کا اعلیٰ اور برتر قانون ہوگی۔اگرچہ موجودہ صوبائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوانین میں کوئی چیز اس کے برخلاف موجود ہو۔

(۲) یہ ایکٹ تمام سابقہ قوانین، رسم ورواج اور صوبہ سرحد کے ہائی کورٹ کی رولنگز سے بھی برتر ہوگا۔''

اس میں ''شریعت'' کی اصطلاح جس قدر مبہم اور مجمل ہے وہ اہل علم کی نظر سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے۔ حیرت ہے ایک ''قانون دان'' نے ایسا مسودہ قانون تجویز کیا ہے۔ دوسری طرف پاکستان کے آئین میں یہ امر پہلے سے موجود ہے کہ کوئی قانون ''قرآن وسنت'' کے خلاف نہیں ہوگا۔ اس مسودے کا انگریزی ترجمہ بھی مصنف نے شامل کتاب کردیا ہے۔ اس حصے کے آخر میں ''اسلامی شریعت کے نفاذ کی تدابیر'' کا ذکر ہے جو کتاب کے ایک چوتھائی حصے پر مشتمل ہیں۔

اس حصے کا آغاز ''اسلامی شریعت کے اجمالی تعارف'' سے ہوتا ہے۔ یہاں مصنف نے قانون کے مختلف شعبوں یعنی ضابطہ دیوانی، ضابطہ فواجداری اور قانون شہادت پر گفتگو کی ہے۔ وہ اس سلسلے میں اپنے تصور اسلام وقانون کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مغرب کے تصورات پر بھی تنقید کرتے چلے جاتے ہیں۔ مغرب پر اعتراضات کے لئے وہ کسی مغربی دانشور کا حوالہ نہیں دیتے تاہم ''اسلامی حدود وتعزیرات'' کے دفاع کے لئے انھوں نے مولانا مودودی کے اقوال پیش کیے ہیں۔ وہ حد زنا، حد قذف، حد سرقہ، حد محاربہ اور حد شرب خمر کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہیں اور ان سزاؤں کی سختی کے مغربی تصور کو رد کرتے ہیں وہ کہتے ہیں:

''بقول مولانا مودودی اہل مغرب اس قدر کوتاہ نظر ہیں اور عقل وخرد سے اس قدر محروم ہیں کہ وہ مقتول اور اس کے ورثاء کے ساتھ ہمدردی کرنے کے بجائے قاتل، چور اور ڈاکو سے ہمدردی رکھتے ہیں۔''

تعزیرات کے بارے میں اُن کا خیال ہے کہ ''اسلام نے تعزیری سزا کا تعین قاضی اور جج پر چھوڑ دیا ہے۔''

ان کی رائے میں تعزیرات کے حوالے سے کی جانے والی قانون سازی درست نہیں ہے بلکہ اسے جج کے صوابدیدی اختیارات پر چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں:

''یہ سزا محض وارننگ سے لے کر سزائے موت تک ہوسکتی ہے اور یہی مناسب ہے۔''

ہمیں نہیں معلوم کہ مصنف نے یہ بات کیسے اور کہاں سے سمجھی ہے کہ اسلام کا منشا یہ ہے کہ تعزیر کا تعین دائمی طور پر قاضی پر چھوڑ دیا جائے۔ صدر اسلام میں اس طریقے پر عمل ہونے سے یہ امر کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ ہمیشہ اس طریقے کو باقی رکھا جائے اور اسے ''اسلامی طریقہ'' قرار [illegible] جائے۔ حیرت ہے کہ ایک قانون دان تعزیرات کے تنوع اور اس کی وسعت کو جاننے کے باوجود اس طرح کی رائے کا اظہار کرے۔ قاضیوں اور عدالتوں کے مختلف مدارج نیز ہمارے معاشرے میں قاضیوں کے کردار کے بارے میں پائی جانے والی شکایات اور دیگر پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے تو تعزیرات کے بارے میں قانون سازی کے بغیر چارہ دکھائی نہیں دیتا۔ انسانی زندگی ابتدائی اور سادہ دور سے گزر کر بہت آگے آچکی ہے اور پیچیدہ ہوچکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن مسلمان ملکوں

''امام ابوحنیفہؒ نے جس انداز سے اجتہاد کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ریاست کے بنیادی اداروں کے حدود وقیود کو مدنظر رکھا اور شریعت کے احکام کے تعین اور مسائل استنباط میں ان بنیادی اداروں کے اصولوں کا لحاظ رکھا، جب کہ دوسرے آئمہ امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے ذہنوں میں اسلامی ریاست کی یہ سہ ادارتی حیثیت واضح نہ تھی۔''

کا دعویٰ ہے کہ اُن کے ہاں شرعی نظام قائم ہے وہاں پر بھی تعزیرات کے لئے قانون سازی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اگلے مرحلے میں مصنف محترم نے ''اسلام کے شخصی قوانین'' پر گفتگو کی ہے۔ نکاح وطلاق کے اسلامی تصورات پر بات کرتے ہوئے انھوں نے تعدد ازدواج کی حمایت میں عقلی ونقلی دلائل پیش کیے ہیں اور ایک نکاح کی پابندی کی صورت میں پیدا ہونے والی امکانی قباحتوں کا ذکر کیا ہے۔ طلاق کے اپنے اسلامی تصور کو بھی وہ افراط وتفریط سے پاک اور عادلانہ قرار دیتے ہیں۔ نکاح وطلاق کے حوالے سے وہ مغربی تصورات اور دیگر ادیان میں موجود قوانین کو افراط وتفریط کا حامل قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے قانونِ میراث کا ذکر کیا ہے اور اس امر پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ اگرچہ پاکستان میں قانون میراث نافذ ہوگیا لیکن اس پر صحیح طریقے سے عمل نہیں ہورہا۔

مصنف اس کے بعد ''معاملات یا دیوانی قانون'' پر اظہار خیال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''ان موضوعات پر اکثر اصول جدید انگریزی قوانین نے تسلیم کیے ہیں لیکن ان تمام موضوعات پر رائج الوقت قوانین میں بعض چیزیں اسلام کے خلاف بھی ہیں، ان کی نشاندہی فیڈرل شریعت کورٹ نے بھی کی ہے اور کر بھی رہی ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی نشاندہی کی ہے اور دوسرے ادارے اور اکیڈمیاں بھی [illegible] ہیں۔''

©rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ یہ بھی کہتے ہیں:

''اصل حقیقت یہ ہے کہ تمام اقوام نے یہ سب قوانین اسلام سے اخذ کیے ہیں لہٰذا اسلامی شریعت نہ صرف یہ کہ ایک قابل نفاذ قانونی نظام ہے بلکہ وہ پوری دنیا کے قانونی نظاموں کے ماخذ بھی ہے۔''

وہ مزید کہتے ہیں:

''البتہ اسلام کے دیوانی قوانین میں سے صرف حرمت ربا پر اعتراضات کیے گئے ہیں۔''

اس کے بعد وہ اسلامی نظریاتی کونسل اور فیڈرل شریعت کورٹ کو حرمت ربا پر کیے جانے والے کام پر خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ازیں بعد مصنف ''اسلامی شریعت کا جو حصہ نافذ ہوگیا ہے'' کے زیر عنوان کہتے ہیں:

''ہم نے پاکستان میں شریعت کا ایک بڑا حصہ نافذ کر دیا ہے لیکن اب بھی عوام کی طرف سے یہی مطالبہ ہو رہا ہے کہ شرعی قانون کو نافذ کیا جائے۔''

اس کا حل انھوں نے یہ بتایا ہے کہ جج کو قاضی کہا جائے اور وہ ظاہری وضع قطع بھی ایسی بنالیں کہ لوگ اُنھیں اسلامی قاضی سمجھیں اور عدالت کو اسلامی عدالت، البتہ انھوں نے چند ایک قوانین میں تبدیلی بھی تجویز کی ہے۔

یہ کہنے کے باوجود کہ پاکستان میں شریعت کا ایک بڑا حصہ نافذ ہوگیا ہے اور ''۸۰ فیصدی قوانین اسلامی ہو چکے ہیں'' مصنف نے ''پاکستان میں نفاذ شریعت کی راہ میں رکاوٹیں'' بھی بیان کی ہیں مثلاً یہ کہ ''پاکستان میں نظام عدل پر فائز لوگ مغربی علوم اور مغربی قوانین کے ماہر ہیں اور ان کی علمی اور عدالتی زباں انگریزی ہے اور دینی طبقات اور شریعت کے ماہرین صرف عربی زبان جانتے ہیں۔''

خاتمہ کلام میں مصنف مصالح مرسلہ، عرف اور اجماع کو اسلامی قانون کا ایک اہم مصدر بیان کرتے ہیں اور کتاب اپنے ان الفاظ پر تمام کرتے ہیں:

''غرض اسلامی شریعت کے نفاذ کی راہ میں کوئی حقیقی رکاوٹ موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی رکاوٹ ہے تو وہ خارجی ہے یعنی مقتدرہ قوتیں شریعت کو نافذ کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور یہ رکاوٹ شریعت کے اندرونی نظام کی وجہ سے نہیں ہے ایک خارجی رکاوٹ ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ مسلمانوں کو توفیق دے کہ اس خارجی رکاوٹ یا رکاوٹوں کو دور کریں۔ آمین''

حاصل کلام

کتاب کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ہم نے مختلف مقامات پر انتہائی مختصر تبصرہ بھی کیا ہے تاہم ذیل میں کتاب کے بارے میں چند کلی نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) کتاب کا عنوان اور اس کے محتویات کا باہمی تعلق بہت کم ہے۔

(۲) زیر تبصرہ کتاب بیک وقت اسلامی تعلیمات کی افادیت وحکمت، مغربی افکار کی نارسائی، پاکستان میں نفاذ شریعت، صوبہ سرحد میں نفاذ شریعت کے لئے مختلف وزارت خانوں کی ذمہ داریاں، تعلیم کے لئے نیا نظام مختلف مدارج تعلیم کے لئے مجوزہ نصاب اور اسلامی شریعت کے حوالے سے وفاقی حکومت، عدلیہ اور پارلیمنٹ کی ذمہ داریاں جیسے موضوعات پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ہر موضوع تشنۂ تکمیل ہے اور عجلت میں غیر تحقیقی انداز سے لکھا گیا معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے نتیجے میں کئی مقامات پر جملوں کی ساخت بھی ناقص رہ گئی ہے۔ بہت سے ماہرین اور اداروں کا کام جب ایک فرد اور وہ بھی ہنگامی طور پر اپنے ذمے لے لے تو ایسی مشکلات کا پیش آنا فطری سی بات ہے۔

(۳) کتاب میں بہت سے تضادات اور استدلال کے بغیر دعاوی موجود ہیں۔

(۴) بہت سے مقامات پر مصنف نے اپنی رائے کو ایک مسلمہ اور متفقہ اسلامی رائے کے طور پر ذکر کیا ہے اور کئی ایک مقامات پر اپنی تعبیر ہی کو وہ حتمی تعبیر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

(۵) مصنف کی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ''اجتہاد'' کی ضرورت کے قائل ہیں لیکن اس کے باوجود وہ صدر اسلام کے بہت سے ظواہر کو اسی طرح باقی رکھنے پر زور دیتے ہیں۔

کتاب کے بارے میں ہماری آراء انفرادی اور ذاتی حیثیت سے ہیں اور یہ اسی طرح ایک فرد کے نقطۂ نظر کی غماز ہیں جیسے زیر تبصرہ کتاب۔

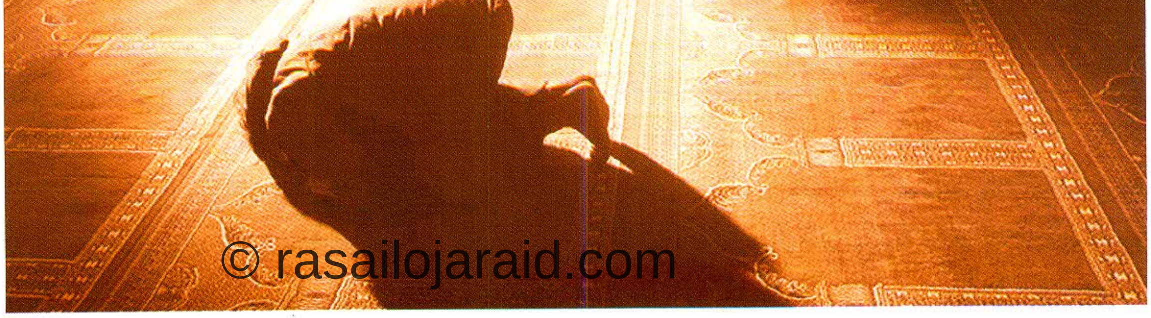

© rasailojaraid.com